پھر یہ بات بھی ہر مسلمان کے لئے قابل حفظ ہے کہ مہر کی ادائیگی نکاح کے ساتھ ہی ہو جانی چاہیے۔۔۔

لیکن۔۔۔ مہر مقرر کیے بغیر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں قرآنی دلیل ملاحظہ ہو۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضہ۔

(البقرہ/۲۳۶)

تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، جبکہ تم نے ابھی ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

واضح ہو کہ مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں مہر کی تعیین، مہر مثل سے کی جائیگی۔ یعنی خاندان میں اس حیثیت کے دوسرے افراد کو دیکھا جائے گا کہ ان کا مہر کتنا باندھا گیا ہے۔ پھر وہی مہر اس عورت کا مقرر کیا جائے گا۔ میرے بھائی! یہ ہے آپ کے سوال میں پوچھے گئے پہلے جزو کے جواب پر مشتمل قرآنی دلیل، جو ہمارے سلسلہ بیان کے بیچ میں آ گئی ہے۔ امید ہے کہ اسکو خصوصی توجہ سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ ویسے تو ہمارا پورا جواب ہی مہر کی قرآنی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ اور ہر تفصیل اس لائق ہے کہ اسے یاد رکھا جائے تا کہ عمل میں آسانی ہو۔

میرے بھائی! اس طرح یہ بات بھی ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہیے کہ اگر مہر نکاح کے وقت ادا نہ کیا گیا ہو تو میاں بیوی کی رضامندی سے بعد میں کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ تعلیم ہوا۔

ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضہ۔ (النساء/۲۴)

اور تم پر اس کے متعلق کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر ہ کے بعد تم آپس میں (اس کی کمی بیشی پر) رضامند ہو جاؤ۔

آیت میں جس رضامندی کا ذکر ہے۔ وہ مہر کے کم یا زیادہ ہونے سے متعلق ہے۔ جسے ہم نے ترجمہ میں نمایاں کر دیا ہے۔

نکاح کے بعد قبل از صحبت و خلوت، طلاق ہو جائے تو۔۔۔ اگر مہر متعین نہیں ہوا تھا تو خاوند کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہوگا۔

ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعاً بالمعروف (البقرہ/۲۳۶)

صاحب حیثیت اپنی وسعت کے مطابق اور تنگ دست اپنی توفیق کے مطابق، حسب دستور کچھ نہ کچھ سامان ضرور دے۔۔۔ اگر مہر متعین تھا تو اس کا نصف ادا کرنا لازمی ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضہ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب

للتقوی۔ (البقرہ/۲۳۷)

اور اگر تم ان کو طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو۔ اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس کا آدھا دے دو، جو مقرر کیا ہو۔ مگر یہ کہ وہ (یعنی بیویاں) معاف کر دیں یا وہ شخص کہ جسکے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ (اپنا حق) معاف کر دے (اور اے مردو! اگر) تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔

آیت کے مطابق، عورت اگر اپنا حق چھوڑنا چاہے تو اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنا پورا مہر چھوڑ دے۔ تاہم پسندیدہ امر یہ ہے کہ مرد بجائے آدھے کے اسے پورا دے دے۔ ورنہ آدھا مہر تو ہر حالت میں دیا جائے گا۔

میرے محترم! آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق میں نے قرآن مجید سے رہنمائی فراہم کر دی ہے۔ امید ہے کہ بقیہ مسائل و احکام میں بھی آپ اس حسن طلب کا مظاہرہ کریں گے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اندر قرآن فہمی کے جذبے کو مزید پروان چڑھائے۔ (آمین)

کیا کسی کو جبراً مسلمان بنایا جا سکتا ہے؟

سوال: کیا کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا؟

اگر یہ موقف درست ہے تو پھر حضرت سلیمان کا ملکہ سبا کو پیغام کہ ایمان لے آؤ ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے۔ ذوالقرنین کا پیغام ایک قوم کو کہ ایمان قبول کر لو ورنہ سزا دیں گے کیا ان پیغمبروں نے لوگوں کو جبراً مسلمان کیا؟ ے۔جیم (کراچی)

جواب: میرے محترم! آپ نے جبراً مسلمان کرنے پر دو اہم قرآنی شخصیات کا جو حوالہ دیا ہے وہ دراصل نفس مسئلہ کی کما حقہ، تفہیم حاصل نہ ہونے کے باعث آپ کے مغالطے کا سبب بنا ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ''حضرت سلیمان کا ملکہ سبا کو پیغام کہ ایمان لے آؤ، ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے'' مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ مفہوم کہاں سے اخذ کیا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید فرقان حمید کا تعلق ہے۔ وہاں اس طرح کی کوئی آیت موجود نہیں کہ جسے آپ کے مفہوم کا ماخذ قرار دیا جائے۔ قرآن کے مطابق، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا۔

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ الا تعلوا علی واتونی مسلمین

(النمل ۳۰۔۳۱)

یہ سلیمان کی طرف سے ہے جو اللہ رحمن رحیم کے نام سے ہے کہ تم لوگ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجاؤ۔

یہاں تعلوا کے معنی ہیں سرکشی اختیار کرنا اور مسلمین کے معنی ہیں مطیع و فرمانبردار ہو جانا۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا کا ارادہ حضرت سلیمان کے خلاف سرکشی اختیار کرنے کا تھا۔ جسکی آپ کو خبر ہو گئی تھی۔ یہیں سے ہمیں ملکۂ سبا کے جارحانہ عزائم کا پتہ چلتا ہے جبکہ حضرت سلیمان کا طریق، جوابی کاروائی (یعنی مدافعانہ) نظر آتا ہے۔ ایسا مدافعانہ کہ جسمیں آئندہ کی پیش بندی کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہو۔

میرا خیال ہے کہ لفظ "مسلمین" سے آپ کو دھوکا لگا ہے آپ نے مسلمین کا معنی مسلمان ہونے سے کر لیا ہے جبکہ وہ یہاں مطیع و منقاد کے معنی میں ہے۔ ملکۂ سبا کے قبول اسلام میں حضرت سلیمان کا جبر، کہیں نظر نہیں آتا۔ اسلیئے آپ کا خیال ہے کہ کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جاسکتا؟ جی ہاں! ہرگز، ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ قرآن کے یکسر خلاف ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکۂ سبا کے بھیجے گئے قاصد سے یہ فرمایا تھا کہ

ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخر جنھم منھا اذلۃ وھم صغرون۔
(النمل ۳۷)

(اے قاصد!) انکی طرف واپس چلا جا (اور انہیں بتادے کہ) ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے۔ جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم اس شہر سے انہیں کمزور کر کے اس حال میں نکال دیں گے کہ وہ (ہمارے) محکوم ہوں گے۔

ملکۂ سبا اور ان کے حواریوں کی سرکشی کے ساتھ ساتھ تو اس فرمان عالیشان کا سبب یہ تھا کہ حضرت سلیمان کو باوثوق ذریعہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ انہیں اپنی عسکری طاقت اور جنگی قوت پر بھی بڑا غرور ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ کی آیت نمبر ۳۳ میں ان کا یہ جملہ نقل ہوا ہے۔

قالوا نحن اولوا قوۃ و اولوا باس شدید ۔الخ۔

وہ بولے کہ ہم بہت طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔

حضرت سلیمان کا قول دراصل ان کے اس غرور و تکبر کا جواب تھا کیونکہ حضرت سلیمان، صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ اللہ کے نبی بھی تھے۔ کفر و شرک کی حکومت اگر غیر جارح ہو تو اسے برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن اگر جارح ہو جائے تو اسکا جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت سلیمان کا جواب اسی

پس منظر کا آئینہ دار تھا۔

میرے محترم! جہاں تک آپ کے سوال کے پہلے جزو کا تعلق ہے تو اس کا جواب کافی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ مگر میں ذرا تفصیل میں جانا چاہتا ہوں تا کہ نفس مسئلہ پوری طرح آشکار ہو جائے۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ سبا کے ضمن میں لفظ مسلمین دو مرتبہ اور آیا ہے اگر میں ان مقامات کی وضاحت نہ کروں تو بہت ممکن ہے کہ آپ ایک مغالطہ سے نکل کر کسی دوسرے مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔

میرے بھائی! اس سورہ میں ذرا آگے چل کر فرمایا گیا ہے۔

قال یا ایھا الملؤا ایکم یا تینی بعر شھا قبل ان یاتونی مسلمین o۔ (النمل ۳۸)

(سلیمان نے) فرمایا اے سردارو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے۔ قبل اس کے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔

یہاں پر بھی لفظ مسلمین اپنے لغوی معنی میں آیا ہے جیسا کہ قرآنی سیاق و سباق سے بخوبی ظاہر ہے۔ تھوڑا آگے چل کر یہ لفظ پھر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فلما جاء ت قیل اھکذا عرشک قالت کانہ ھو ، واوتینا العلم من قبلھا و کنا مسلمین۔ (النمل ۴۲)

پس جب وہ آئی، اس سے پوچھا گیا تیرا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی کہ گویا یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے علم ہو گیا تھا۔ اور ہم تابعدار ہو گئے ہیں۔

اس آیت میں موجود "کنا مسلمین" کو دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ طرح اول میں اس کا معنی ہے کہ ہم نے بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کر لی ہے۔ جبکہ طرح دوم میں یہ ہے کہ ہم نے سرکشی کو چھوڑ کر تابعداری کی راہ اختیار کر لی ہے۔ یہاں پر قرآنی سیاق، دوسرے معنی کا تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ ملکۂ سبا کے اسلام لانے کا واقعہ آیت نمبر ۴۴ میں بایں الفاظ آیا ہے۔

قالت رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ رب العلمین o۔

(ملکۂ سبا نے) کہا میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں خود کو سلیمان علیہ السلام کی معیت میں اللہ رب العلمین کے حوالہ کرتی ہوں۔

بس یہی وہ مقام ہے جو ملکۂ سبا کے ایمان و اسلام کا مظہر ہے۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ ملکۂ سبا کسی جبر کے بغیر، اپنا اسلام ظاہر کرتی ہیں۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا کے ایمان و اسلام کے پیچھے سلیمان کا جبر نہیں بلکہ ملکۂ سبا کے اپنے علم و عقل کی رہنمائی کارفرما ہے۔

علم وعقل کی رہنمائی سے مراد یہ ہے کہ ملکۂ سبا کے تخت کو کچھ ضروری تبدیلی (النمل/۴۱) کے بعد ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ تبدیلی یہ کی گئی کہ تخت پر جو بتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں انہیں مٹا دیا گیا اور اس طرح تخت بلقیس کو شرک کی آلودگی سے پاک کر دیا گیا اور پوچھا گیا اھکذا عرشک۔ کیا تیرا تخت ایسا ہی تھا۔ تو اس نے جواباً کہا کانہ ھو۔ گویا کہ یہ وہی ہے۔ (النمل/۴۲) اگر یہاں حکذا کی بلاغت پر نظر رہے تو تبدیلی کا ذرہ با آسانی سمجھ میں آجاتا ہے اور وہی یہاں مقصود بھی ہے۔ بہر حال تخت بلقیس میں تبدیلی جہاں "علم" کے بغیر ناممکن تھی۔ وہیں اس تبدیلی کی تفہیم بھی علم کے بغیر ناممکن تھی۔ اور یہی وہ علم تھا کہ جو بلقیس کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ مزید یہ کہ جب ملکۂ سبا کو محل میں داخل ہونے کو کہا گیا تو اس نے فرش محل کو گہرا پانی خیال کیا اور اسے امر شدید جانتے ہوئے گھبرا گئی۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ یہ شیشے سے مرصع فرش ہے (پانی نہیں ہے) (النمل/۴۴)

یہ منظر دراصل ملکۂ سبا کی عقل کو جھنجھوڑنے کا باعث بنا۔ اور اس نے حقیقت اور سراب کے مابین فرق کو سمجھ لیا۔ یعنی اس نے جان لیا کہ جس طرح وہ شیشہ کو پانی سمجھ بیٹھی ہے۔ اس طرح سورج کو بھی خدا سمجھ بیٹھی ہے۔ عقل کے اس صحیح استعمال پر اللہ نے اسے دولت اسلام سے نوازا۔

امید ہے کہ آپ نے جان لیا ہوگا کہ ملکۂ سبا کے ایمان واسلام کا باعث حضرت سلیمان علیہ السلام کا جبر واکراہ نہیں بلکہ اسکی وہ آزاد مرضی اور اختیار تھا، جو علم وعقل کے صحیح استعمال سے ہدایت پر منتج ہوا۔ اس لئے لا اکراہ فی الدین (البقرہ/۲۵۶) کا قرآنی اصول کہیں نہیں ٹوٹا۔

ذوالقرنین کے حوالے سے بھی اپنی غلط فہمی دور کر لیجئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین کا پیغام: "ایک قوم کو کہ ایمان قبول کرلو ورنہ سزا دیں گے"۔

آیئے نفس مسئلہ کی وضاحت کے لئے قرآن سے رہنمائی لیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت ذوالقرنین جب ایک قوم کے پاس پہنچے تو اللہ نے ان سے فرمایا کہ:

یذا لقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا۔ (الکہف/۸۶)

اے ذوالقرنین اچاہو تو (اس قوم کو) سزا دو اور چاہو تو ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرو۔ امر خداوندی کی تعمیل میں حضرت ذوالقرنین نے اس قوم سے کہا کہ

اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الیٰ ربہ فیعذبہ عذابا نکرا۔ (الکہف/۸۷)

جو کوئی ظلم وزیادتی کرے گا۔ ہم اسے سزا دیں گے۔ پھر (جب) وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا تو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا۔

واما من اٰمن وعمل صالحا فلہ جزاء ن الحسنیٰ و سنقول لہ من امرنا یسرا (الکہف/۸۸)

اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اور اچھے اعمال انجام دیتا ہے تو اس کے لیئے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے معاملہ میں سہل بات کہیں گے۔

غالباً یہی وہ آیات ہیں کہ جن سے آپ نے جبری ایمان کا تصور اخذ کیا ہے۔ جبکہ ان آیات میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ آیت نمبر ۸۷ میں من ظلم کے جو الفاظ آئے ہیں۔ بالعموم اس کے معنی شرک کے کیئے گئے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہی مفہوم بنتا ہے۔ جو آپ نے اخذ کیا ہے۔ مطلب یہ کہ ذوالقرنین نے اس قوم سے کہا کہ جو کوئی شرک کرے گا۔ اس سزا دوں گا اور جو ایمان لائے گا اس کے لئے اچھا بدلہ ہوگا۔ مگر یہ معنی اصول شریعت کے ہی خلاف ہیں کیونکہ شریعت کا قانون ہے کہ مشرکوں کو ان کے افساد اور دہشت گردی کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔ نہ کہ ان کے شرک کی وجہ سے بایں وجہ یہاں ظلم کا معنی شرک نہیں بنتا بلکہ سرکشی اور زیادتی بنتا ہے۔ جیسا کہ مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا) نے اما من ظلم فسوف نعذبہ ۔۔۔ الخ۔ کو بایں الفاظ مفہوم کیا ہے۔ "جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے"۔

دوسرے یہ کہ من ظلم کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی قوم تھی جسکی طرف سے پہلے کسی قسم کی سرکشی سرزد ہو چکی تھی، جبھی ارشاد خداوندی میں پہلے اما ان تعذب آیا ہے۔ اور اس پورے قصے کو پڑھ کر معلوم یہی ہوتا ہے کہ حضرت ذوالقرنین کا یہ سفر (بمعہ لاؤ لشکر کے) قوم مذکور کی اسی سرکشی کی سرکوبی کے لئے تھا نہ کہ جبراً مسلمان کرنے کے لئے۔

پھر آیت میں ذوالقرنین کو سزا دینے یا حسن سلوک کرنے کا ایک ساتھ جو حکم آیا ہے۔ اسمیں میرے نزدیک یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ وہ قوم اصلاً تو سرکشی کے جرم کی مرتکب ہوئی ہے جس بناء پر وہ سزا کی مستحق ہے۔ تاہم ذوالقرنین کو حسن سلوک کا بھی اختیار دے کر یہاں قوم مذکور کو ہدایت کا ایک موقع بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔

میری اس وضاحت سے امید ہے کہ آپ مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ حضرت ذوالقرنین نے کسی قوم کو جبراً مسلمان نہیں کیا ہے۔ اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ ایمان اپنے اظہار و بیان میں دل کی تصدیق چاہتا ہے۔ جبکہ جبر کا مارا انسان، دل کی تصدیق سے یکسر محروم ہوتا ہے۔ پھر کیا ذوالقرنین اتنی واضح اور فطری بات بھی نہیں جانتے تھے؟ امید ہے۔ آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔

جسٹس ایس۔اے۔ربانی

جج ،فیڈرل شریعت کورٹ، اسلام آباد

محترم ڈاکٹر اوج صاحب!

السلام علیکم!

مجلہ سہ ماہی التفسیر کے شمارے بھیجنے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کی علمی و دینی کاوش قابل تحسین ہے۔ اس قسم کے رسالہ کی افادیت فی زمانہ محسوس کی جا سکتی ہے۔ آپ نے اس سمت میں قدم اٹھا کر علم و دانش کے متلاشی ذہنوں کی تسکین کا موقع فراہم کیا ہے۔

اس رسالہ کی افادیت مزید بڑھائی جا سکتی ہے اگر اس سے دین کو آسان شکل میں پیش کرنے کا کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنا کر عام لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے بھیجا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اہل علم نے اس کو اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ عام مسلمان اس کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر ہے اور تمام عمر تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ اہل علم کا کام یہ نہیں کہ وہ آسان بات کو پیچیدہ اور مشکل بنا کر پیش کریں بلکہ انکا فریضہ ہے کہ پیچیدہ معاملات کو آسان کر کے عوام الناس کے لیے رہنمائی کریں۔ مجھے امید ہے کہ یہ مجلہ دین کی خدمت کرے گا۔

والسلام

جسٹس ایس۔اے۔ربانی
جج ،فیڈرل شریعت کورٹ
اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن

ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده و بعد.

ان لمن دواعى الغبطة والسرور أن أكتب بضعة سطور فى "مجلة التفسير" الصادرة من مدينة كراتشي (باكستان) باشراف مباشر من قبل الاخ الفاضل الاستاذ الدكتور محمد شكيل اوج، الذى يشغل منصب استاذ مساعد فى قسم الدراسات الاسلامية بجامعة كراتشي. لقد تعرفت عليه قبل اربع سنوات عند ما نزلت مدينة كراتشي و زرت الجامعة، اذ يتكرر لقاءنا بين الحين والاخر، حيث نتجاذب اطراف الحديث فى شتى المواضيع العلمية، اذ وجدته عالما بارعا متخصصا بكل ما تحمل الكلمة من معنى فى تخصصه الا و هو "التفسير و علومه".

ان مجلة التفسير، تعتبر مجلة علمية متخصصة فى علم التفسير، والدراسات الاسلامية، لقد تمكن الاخ الفاضل الاستاذ الدكتور محمد شكيل اوج من اصدار المجلد الاول، المجلدين الثانى والثالث بينما المجلد الرابع فى المراحل الاخيرة من الطباعة و النشر، لقد اطلعت باهتمام بالغ على محتويات هذه المجلة، اذ وجدته حافل بالمعلومات القيمة والمفيدة و نادرة فى نفس الوقت.

و فى الختام اسال الله سبحانه و تعالىٰ التوفيق للاخ الدكتور محمد شكيل اوج و لفريقه الدءوب ليواصلوا اصدار المجلة.

والله ولى التوفيق

الدكتور خليل الرحمن

شاہد قریشی

نگران، انسٹیٹیوٹ آف اسپیس اینڈ پلینیٹری اسٹروفزکس،

جامعہ کراچی

جناب ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب

مدیر اعلیٰ "التفسیر" کراچی، السلام وعلیکم!

شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء مرحمت فرمانے کا شکریہ

حساب تقویم سے متعلق مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کا مقالہ زیر مطالعہ رہا۔ تقویم سے متعلق میری معلومات میں شرعی احکامات اور رہنمائی کی جو کمی تھی اس کو دور کرنے میں بہت مدد ملی۔ مقالہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ایک مرتبہ پڑھنے سے حق ادا نہیں ہوا۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور جاری ہے۔ ارادہ ہے کہ اپنی رائے، جب بھی اسے کچھ استحکام حاصل ہوگا۔ آپ اور آپ کے قارئین کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

البتہ ابتدائی مطالعہ کے بعد دو باتیں ایسی ضرور ہیں جو میں اس خط کے ذریعے آپ کے توسط سے قارئین تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

۱۔ چونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن دین فطرت ہے چنانچہ اسی روشنی میں شریعت میں رویت ہلال (بصری) ایک واضح شرط ہے تہذیب ترقی یافتہ ہو علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو یا تنزلی کا شکار ہو اور علم سے بے بہرہ ہلال قمری ہر عام و خاص کے مشاہدہ میں آسکتا ہے اور ماہ و سال کا نظام جاری رہ سکتا ہے۔ البتہ شمسی تقویم کے سلسلہ میں ایسا نہیں ہے۔

۲۔ خدائے بزرگ و برتر نے تقویم کے لئے ہلال قمری کی رویت بصری کی جو قید متعین کردی ہے یہ قوانین فطرت کے محققین کے لئے ایک بہت اہم چیلنج ہے اور تا حال کوئی ایسا سائنسی اور ریاضیاتی ماڈل تیار نہیں کیا جاسکا ہے جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ فلاں مقام پر نوزائیدہ ہلال قمری فلاں دن ضرور نظر آجائے گا۔ کیونکہ اس میں فلکیاتی پہلو کے علاوہ موسمیاتی عناصر کا بھی دخل ہے اور موسمیاتی عناصر کا حساب قبل از وقت لگانا تا حال ناممکنات میں سے ہے۔ چنانچہ محققین قوانین فطرت اس چیلنج کی بناء پر ہی علم کو آگے بڑھانے کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور میری نظر میں اللہ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے تقویم کے لئے بصری رویت کو مشروط رکھا ہے۔

اگر آپ اجازت دیں تو نہایت کم عمر (نوزائیدہ) ہلال کے موضوع پر گزشتہ ایک صدی میں جو تحقیق کا کام فلکیات دانوں نے کیا ہے اس پر ایک مقالہ آپ کے رسالہ اور قارئین کی نظر کروں۔ جس کے لئے مجھے کچھ وقت درکار ہوگا۔

والسلام

شاہد قریشی

ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ

(ستمبر ۲۰۰۵ء)

سہ ماہی "التفسیر" کراچی، برصغیر کے مذہبی مکاتب فکر میں سے بریلوی مکتب فکر عام طور پر علمی و تحقیقی مسائل سے عدم دلچسپی اور عامیانہ تصوف کی دلدادگی کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ حیات اجتماعی کی مشکلات اور اعلیٰ سطحی فکر و تدبر سے گریز کی ایک عمومی کیفیت اگرچہ اب بھی پائی جاتی ہے۔ تاہم مولانا غلام رسول سعیدی اور پیر کرم شاہ صاحب الازہری جیسے اصحاب علم کی کاوشوں کے نتیجے میں پچھلے کچھ عرصہ میں صورت حال میں بہتری کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔ مذکورہ دونوں بزرگوں کی ایک اور امتیازی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی کی علمی روایت کے ساتھ وابستہ ہونے کے باوجود بہت سے مسائل میں علمی دلائل اور اجتماعی مصالح کی روشنی میں دوسری فقہی آراء سے اخذ و استفادہ کے باب میں وسیع المشربی کا طریقہ اپنایا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے متوسلین میں بھی اس رجحان کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

زیر نظر جریدہ مولانا غلام رسول صاحب سعیدی کے حلقہ فکر کے ایک صاحب علم اور جامعہ کراچی میں فقہ و تفسیر کے استاذ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے اس کا تیسرا شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء) ہے جو مختلف علمی و فقہی مضامین پر مشتمل ہے اور ان میں سے بعض مضامین علمی مسائل میں آزادانہ غور و فکر کا نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد شکیل اوج شرعی اصولوں اور فقہی جزئیات پر غور کرنے کے بعد مروجہ فقہی فتوے کے برعکس، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خواتین کے لئے ناخن پالش لگانا اور اس کے اتارے بغیر وضو اور غسل کرنا شرعی لحاظ سے بالکل درست ہے۔ ایک دوسرے مضمون میں محمد عارف خان ساقی صاحب کے نتائج تحقیق یہ ہیں کہ نبی ﷺ نے ٹخنوں کو ننگا رکھنے کا حکم عرب کی مخصوص معاشرتی روایت کے تناظر میں تکبر اور نخوت کی علت کی بنا پر دیا تھا جس کا دنیا میں مختلف معاشروں میں رائج لباس کی تمام شکلوں پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ "حالت نماز میں پائنچے سے ٹخنے ڈھکے رہنے کی صورت میں نماز کی صحت اور درستگی پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نماز کے "واجب الاعادہ" ہونے کا قول محض بے اعتدالی ہے۔ کسی ذاتی ضرورت یا مصلحت کے تحت شلوار کو آدھی پنڈلی پر یا ٹخنے سے اوپر رکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ شریعت لوگوں کے روزمرہ میں نہیں الجھتی۔

توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ جریدہ تحقیقی رجحانات اور مثبت علمی رویوں کے فروغ میں ایک مفید کردار ادا کرے گا۔ اس جریدے کی اشاعت کا اہتمام مجلس التفسیر کراچی کی جانب سے کیا جاتا ہے اور اس سے متعلق معلومات کے لئے پوسٹ بکس نمبر ۸۲۱۳، جامعہ کراچی، کراچی ۷۵۲۷۰ کے پتے پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔